

• بلایا اور مجھے کپڑے کی ضرورت تھی تم نے مجھے کپڑے کیوں نہ پہنائے۔ بندے عرض کریں گے، مالک! کو تو ان احتیاجوں سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرا فلان بندہ مجھ کا تھا۔ فلان پیسا تھا، فلان نیشکا تھا۔ اگر تم ان کی ضرورتیں پوری کرتے تو دَجْدٌ تَبِیُّ عِنْدَنَا ا مجھے ان کے پاس پاتے۔ یتیم کے سر پرست کا نفل الیتیم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں اپنے قرب کی بشارت دی اور فرمایا وہ اسی طرح میرے ساتھ ہوگا جیسے دو بڑی مہوئی انگلیاں۔ اور بیواؤں کی خبر گیری کرنے والے (السَّاعِي عَلَى الذُّرْمَلَةِ) کو مجاہد فی سبیل اللہ کا معزز مقام عطا فرمایا اور اسے ہمیشہ روزہ رکھنے اور رات کو مسلسل قیام کرنے کے مترادف قرار دیا۔

اسلام نے سوسائٹی کے پسماندہ طبقات کے ساتھ حسن سلوک اور مالی امداد کرنے والوں کا ان پر کوئی بڑا احسان قرار نہیں دیا بلکہ فرمایا:

ذِي اَمْوَالٍ لَّيْسَ يَحْتَقُّ لِّلْسَّائِلِ وَ  
اَلْمَسْكُوْمِ  
اچھے لوگوں کے مال میں سائل اور محروم و محتاج کا قدرتی حق ہوتا ہے۔

ضرورت مندوں اور محتاجوں کی امداد کی سلسلہ میں ایک اور جامع حدیث میں فرمایا گیا:

مَنْ كَانَ فِي حَاجَةٍ اَخِيهِ كَانَ  
اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ  
جو شخص اپنے کسی بھائی کی حاجت و ضرورت پوری کرنے کی سعی کرتا ہے اللہ دنیا و آخرت میں اس کی حاجیات و ضروریات پوری کرے گا۔

طبقة اناث کے حقوق کی حفاظت پر اسلام نے خصوصی توجہ دی ہے۔ لڑکیوں کو لڑکوں کے ساتھ والدین کی وراثت میں حصہ دار بنایا گیا۔ البتہ ان کا حصہ نصف اس لیے رکھا گیا کہ گھر اور معاشرہ کی معاشی ذمہ داری براہ راست ان کے کندھوں پر نہیں مردوں پر ہے۔ پھر بیٹی نہیں بیوی اور مال کی مختلف حیثیتوں میں عورت کا احترام سکھایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

”جو شخص دو بلکہ ایک بھی بیٹی یا بہن کی تعلیم و تربیت کرے تو اداخلہ اللہ فی الجنة  
اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا“

پھر فرمایا:۔

لے اختصار کی خاطر یہاں آیات و احادیث کے مفصل حوالوں کی بجائے ایک ایک دو دو بنیادی اور چیدہ مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔

خَيْرٌ كُمْ خَيْرٌ كُمْ لِدَاهِلِهِم (تم میں سے بہتر وہ ہیں جو اپنے اہل کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں اور ماؤں کا ترہ یہاں تک بڑھایا گیا ہے کہ ارشاد ہے:

الْبُحْنَةُ تَحْتَ أَقْدَامِ الْأُمَّهَاتِ (جنت ماؤں کے پاؤں تلے ہے)

زوجین کے باہمی حقوق متعین کیے گئے۔ عورتوں کو مردوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی تلقین کی گئی اور مردوں کو عاشر دھنّ بِالْمَعْرُوفِ (یعنی ان سے اچھی طرح سلوک کرو) حدیث میں فرمایا گیا:

رَأَيْتُ فِي النَّسَاءِ.... (عورتوں سے سلوک کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو وہ تمہارے

پاس امانت میں ہے)

عورت کو بے زبان جانو اور پاؤں کی جوتی کی حیثیت سے بلند کر کے فرمایا گیا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (اگر ان کے ذمہ کچھ فرائض ہیں تو اسی

طرح ان کے کچھ حقوق بھی ہیں؟)

مرد اور عورت کا چولی دامن کا ساتھ ہے (هُنَّ لِأَسْنِ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِأَسْنِ تَهُنَّ) اور اس ساتھ اور محبت

کا مقصد ایک دوسرے کو آرام و سکون پہنچانا (لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا) اور گھر کو جنت کا نمونہ بنانا ہے یعنی الدجل

دادہ، آپس میں اتفاق نہ ہو سکنے کی صورت میں علیحدگی کا راستہ کھلا رکھا گیا تاکہ زندگی جہنم کا ٹکڑا نہ بنے مگر

ساتھ ہی سمجھا دیا گیا کہ اللہ

أَبْغَضُ الْحَلَائِلِ عِنْدَ اللَّهِ الطَّلَاقُ (طلاق و علیحدگی اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں

سے سب سے ناپسندیدہ ہے)

ان قوانین نے شرع اسلام کو اقبال کے الفاظ میں ع

ما فیظنا موس زنا مرد آزا مرد آفسریں

بنا دیا ہے۔

اسی طرح والدین کے طبقہ کو بھی مناسب مقام و حقوق عطا کیے گئے۔ ارشاد باری ہے:

وَإِخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ (ان کے سامنے اپنے آپ کو جھکا کر رکھو

اور ان سے محبت رور رکھو)

یہاں تک کہ اگر وہ شرک اور خدا کی نافرمانی کا حکم دیتے ہیں تو وہ تو نہ مانو مگر:

مَا جُنِّهْمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا (ان سے دنیا ہی حد تک اچھا سلوک جاری رکھو)

ہمسایوں سے کے حقوق بھی متعین کیے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کھا کر فرمایا:

”وہ شخص مومن ہی نہیں جو خود پیٹ بھر کر سو رہے اور اس کا ہمسایہ بھوکا ہو“

اللہ اکبر! معاشرتی عدل کا یہ وہ مقام ہے جہاں صوفوں پر بیٹھ کر ”سوشلزم“ کا پرچار کرنے والے ”مفکرین“

کا نظریہ عمل نہیں پہنچ سکا۔ ایک مرتبہ آپ نے حقوق ہمسایہ کو اپنے مخصوص مبلغ انداز میں اس طرح سمجھایا کہ:

تبریل نے مجھے ہمسایہ کی رعایت کی اس قدر تاکید کی ہے کہ میں سمجھا عنقریب یہ حکم بھی آنے

والا ہے کہ اسے وراثت میں بھی شریک قرار دے دو۔

اسلام کے معاشرتی نظام کی برکات سے غلام بھی محروم نہ رہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے غلامی

کا بحیرہ اندوکیوں نہ کیا۔ دور نہیں سوچتے کہ قرون اولیٰ میں غلامی کی جو شکل باقی رہی وہ جنگی قیدیوں کی غلامی تھی

آزاد انسانوں کو خواہ مخواہ کپڑا کر غلام بنانے والوں کو بڑبڑ دست و عید سنائی گئی کہ قیامت کے روز خود مالک یوم

الدین ان کے خلاف مدعی ہو گا۔

دوسرے جدید ذہن لفظ ”غلامی“ سے اس لیے گھبراتا ہے کہ یہ لفظ سن کر اس کے سامنے قدیم یونانیوں اور

حالیہ تہذیب کے علمبرداروں کے وہ مظالم آجاتے ہیں جو انہوں نے افریقہ اور ایشیا کے مجبور انسانوں پر روا رکھے

مگر اسلام نے تو غلاموں کو آقاؤں کے مساوی حقوق دیے ہیں۔ حضرت ابوذر تبتلاتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا:

”تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں جنہیں تمہارے ماتحت بنایا گیا ہے۔ لہذا ان کو وہی کھلاؤ

جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔ ان سے حد سے زیادہ کام نہ کرو اور ان کے کام

میں خود بھی ہاتھ بناؤ“

یہ بھی فرمایا کہ:

”غلام کو اس کے حقیقی قصور سے زیادہ سزا دو گے تو اس کا قصاص اللہ تم سے لے گا“

جنگی قیدیوں کو بھی صرف غلام بنانے کی بجائے (مَا مَتَّاقُوا مَا فِي دَائِرَةِ رِيسِي بطور احسان چھوڑ دینے

یا قیدیوں کو آزاد کر دینے کی صورتیں بھی مقرر کیں۔ ان دو صورتوں میں جو لوگ نہ آسکیں انہیں ”غلام“ بنا کر رکھنے

کی اجازت دی گئی کیونکہ ایک تو اس زبانہ میں قید خانے موجود صورت میں نہ تھے اور دوسرے انہیں محض

تیدی بنا کر عضو معطل کی حیثیت سے رکھنے کی بجائے معاشرے کا مفید و با مقصد رکن بنا لیا جاتا، اور ان کی کفالت کا بوجھ ریاست اور تو می خزانہ پر ڈالنے کی بجائے افراد کے سپرد کر دیا جاتا اور افزوں کو چونکہ ان سے حسن سلوک کی تاکید تھی اس لیے ایسی مثالیں اکثر دیکھنے میں آتیں کہ مثلاً:

★ کئی بوڈنگ اپنے خادم کے ہمراہ گھر سے باہر نکلا ہے تو اس کی اور اس کے غلام کی پوشاک میں فرق نظر نہیں آتا۔

★ کوئی عیسائی مسافر کر رہا ہے تو غلام کو سوار کرنے کی برابر کی باری دیتا ہے۔

★ کوئی عیسائی کپڑا خریدنے نکلا ہے تو اپنے لیے معمولی کپڑا خرید کر اپنے غلام کو بڑھیا کپڑے کر دیتا ہے اور جب وہ اس سے انکار کرتا ہے تو کہتا ہے: بھئی! تم جوان ہو تمہیں اچھے کپڑے پہننے چاہئیں میرا کیا ہے میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں۔

غلاموں میں سے جو اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکنے کے قابل ہوتے، ان سے ان کے مالک مکاتبت کر لیتے یعنی ان کی کمائی سے مناسب رقم لے کر انہیں آزاد کر دیتے۔ اس کے علاوہ مختلف جہاز کے کفارہ کی صورت میں بھی غلاموں کو آزاد کرنے کا راستہ کھولا گیا اور بغیر کوئی معاوضہ لیے بطور احسان انہیں چھوڑ دینے والے کو یہ خوشخبری سنائی گئی کہ آزاد کردہ غلام کے برابر عضو کے بدلے آزاد کنندہ کو جہنم سے آزادی ملے گی اس سلسلہ میں آپ نے یہ بھی ترغیب دی کہ آقا غلام کو اپنی زندگی میں اور ضرورت کے وقت آزاد کرے۔ یہ نہیں کرتے ہوئے اسے پروا نہ آزادی دے دے جو شخص ساری عمر اسے غلام رکھ کر مرتے وقت اس پر آزادی کا احسان کرتا ہے۔ اس کی مثال آپ نے اس شخص سے دی جو اپنا پیٹ پوری طرح بھرنے کے بعد سچا کھچا کھانا کسی کو ہدیہ دیتا ہے (مَثَلُ الَّذِي يُهْدِي إِذَا شَبِعَ)

پھر جو غلام ابھی معاشی طور پر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے سے پہلے آزاد ہو گیا اس کی امداد و اعانت مسلمانوں پر لازم قرار دی (لَقَدْ مَنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ) اور زکوٰۃ کے مصارف میں غلاموں کی آزادی و تعاون کا خاص حصہ رکھا۔

اس طرح تدریج غلامی کو ختم کیا گیا اور اس کی جو صورتیں باقی رہیں انہیں عدل و احسان سے ڈھانپ دیا گیا۔ غلامی کا خاتمہ تدریجاً اس لیے کیا گیا کہ غلامی کا نظام عوب کی معیشت میں پوری طرح پرج بس چکا تھا۔

اور اس کافی الغور غلطیوں، آقاؤں اور پورے معاشرہ کے لیے کئی مفاسد کا حامل تھا۔ زمانہ قریب میں جب امریکہ نے غلامی تدریج کی بجائے فی الغور ختم کرنے کی کوشش کی تو اسے شدید خانہ جنگی اور معاشرتی فساد کا سامنا کرنا پڑا اور اس کے باوجود وہاں اب تک کالوں کو پورج طرح گورے "معاشرہ میں سمویا نہیں جاسکا۔

معاهدہ اور ذمیوں کے طبقے یعنی غیر مسلم رعایا سے بھی حسن سلوک کی تاکید فرمائی گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"جو شخص معاہدہ پر ظلم کرے میں قیامت کے دن خود اس پر مقدمہ دائر کروں گا۔" اس تعلیم کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک بوڑھے عیسائی کو بھیک مانگتے دیکھا۔ آپ اسے ہاتھ پکڑ کر گھر لے گئے۔ اسے کھانا کھلایا اور اس کے حالات دریافت کیے پھر اس کا اور اس جیسے دوسرے محتاج و غریب غیر مسلموں کا معمولی ٹیکس (جزیہ) معاف کر دیا، بلکہ ان کے لیے وظائف مقرر کیے۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک شامی غیر مسلم آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ فریاد کیا کہ اس کی زرعی زمین مجاہدین اسلام سے خراب ہو گئی ہے۔ آپ نے کافی دیر محنت کر کے خود زمین کے نقصان کا پورا حساب لگایا اور پھر اس کی قیمت اور شام سے آمد و رفت کا خرچ سرکاری خزانے سے اس کے حوالے کیا۔ اسلام نے دشمنوں سے بھی عدل و احسان برتنے کی تاکید کی ہے۔ ارشادِ باری ہے:

لَا يَجِبُ مَنَّكُمْ شَنَّانُ قَوْمٍ عَلَىٰ  
أَلَّا تَعْدِلُوا  
سے دروگ دے۔

تہذیب کے موجودہ علمبرداروں میں سے کوئی ہے جو اس اصول کو بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد بنائے؟ یہاں تو تمام مسائل میں کسی کی حماقت و مخالفت کا معیار یا تو اپنی ذاتی یا قومی اغراض ہوتی ہیں اور یا یہ کہ متعلقہ قوم ہمارے اپنے ہلاک کی ہے۔ یا دوسرے ہلاک سے نکلے۔ یہ بھی فرمایا کہ:

جو کافر تمہارے ساتھ جنگ و قتال میں ملوث نہیں ان سے صرف عدل ہی نہیں برہو  
احسان کا سلوک بھی کر سکتے ہو۔ اَلَا يَنْهَىٰ اللَّهُ عَنْ الَّذِينَ لَمْ يَقاتِلُواكُمْ فِي الدِّينِ.....

أَنْ تَبُذُّ لَهُمْ وَتُقْسِمُ خُلُقًا إِلَيْهِمْ

مختلف طبقات و افراد کے ساتھ عمومی طور پر حسن سلوک اور عادلانہ برتاؤ کی بھی بے حد تاکید کی گئی ہے۔ ایک مبلغ حدیث میں ارشاد ہے کہ:

تحقیقی مفلس وہ ہے جو نماز روزہ وغیرہ عبادات کر کے اللہ کے سامنے پیش ہوگا مگر چونکہ اس نے دنیا میں بعض لوگوں کا حق دیا ہے، بعض پر ظلم کیا ہے۔ بعض کو ناجائز بڑا بھلا کہا ہے اس لیے اس کی نیکیاں ان مظلوموں میں تقسیم کر دی جائیں گی اور ان کی بدیاں اس پر لاد دی جائیں گی۔ نتیجہ وہ نیکیوں سے خالی ہاتھ ہو کر گناہ کا بوجھ اٹھائے جہنم میں چلا جائے گا۔

پھر فرمایا گیا کہ:

الَّذِينَ الْمُنِصَّةُ (دین اخلاص، نرمی اور خیر خواہی کا نام ہے۔)

اللہ، رسول، حکومت، معاشرہ، افراد سب سے اخلاص مندی کا عادلانہ برتاؤ ضروری ہے۔ ایک اور جامع حدیث میں فرمایا:

لَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَمَسُّوْا وَلَا  
تَدَابَرُوا وَلَا كُؤَلُوا عِبَادًا لِلَّهِ  
إِضْوَانًا

آپس میں بغض و حسد نہ رکھو۔ ایک دوسرے سے قطع تعلق کر کے منہ زور و اور اللہ کے بندوں! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ

نیز چھوٹوں بڑوں، اپنوں، پرانیوں سب سے حسن خلق سے پیش آنے کی تاکید کی گئی۔ آپ سے پوچھا گیا: مومنوں میں بہتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا:

أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا (جو اخلاق کے لحاظ سے اچھا ہے۔)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:

تمہارا مال تو سب کی ضرورتوں کے لیے کافی نہیں ہو سکتا مگر تمہندہ پیشانی و خوش روئی اور حسن اخلاق سے سب کو خوش کر سکتے ہو۔

بقول اقبال۔ مسلمان کے لہو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا

مروت حسن عالمگیر ہے مردانِ عساکری کا

اسلام کے ان زیریں اصولوں کو اپنایا جائے تو یقیناً معاشرے میں سکراہٹوں کے پھول کھلیں گے،